شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق قدس سرہ العزیز کی

ایک ہمہ جہت شخصیت

پاکستان میں تحریک نفاذ شریعت اور افغانستان میں تحریک آزادی و حریت کے مجاہد کبیر

جناب صاحبزادہ ابو قاسم ایم اے، شیدو

حضرت شیخ کی ہمہ جہت شخصیت کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ آپ کی ذات کو جس حوالے سے بھی دیکھا جائے

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

والی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے افراد جن کی نگاہیں زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہوں انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ مرحوم حضرت شیخ کا شمار بھی ایسی ہی نابغہ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے۔ مادرِ گیتی صدیوں بعد ہی ایسے سپوتوں کو جنم دیتی ہے ؎

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

حضرت شیخ الحدیث سے میرا تعلق یوں تو ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے تھا مگر خصوصی شرفِ ملاقات کی سعادت ۱۹۷۸ء سے ہے۔ ۱۹۸۰ء سے بلاناغہ جمعہ کی نماز حضرتؒ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ اگرچہ اس دس بارہ سال کے عرصہ میں حضرت نے صرف ایک بار جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور نمازِ جمعہ کی امامت بھی فرمائی تھی۔ جمعہ کی نماز کے بعد حضرت کی دعا کا کیا کہیے۔ تقریباً پانچ دس منٹ کی دعا کبھی کبھار اس سے بھی زیادہ وقت ایسی عجیب اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا فرماتے کہ نمازی ہمہ تن گوش سن کر آمین کہتے۔ مجھے اس بات پر بجا طور پر فخر ہے کہ گذشتہ دس سالوں میں مجھے حضرت شیخؒ سے بارہا ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور یوں مجھے تقریباً ۱۹۲۰ بار حضرت شیخؒ سے ملاقات کا شرف حاصل رہا۔ مجھ گناہ گار کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ حضرتؒ کے آخری دو دن یعنی ۶، ستمبر اور ۷، ستمبر ۸۸ء میں خیبر ہسپتال پشاور کے سی سی یو وارڈ میں موجود تھا۔ میں کبھی کبھار حضرت کے ساتھ اسلام آباد قومی اسمبلی کے اجلاس میں جایا کرتا تھا۔ حضرت مولانا انوار الحق صاحب اور جناب حاجی ممتاز علی خان صاحب بھی ساتھ ہوا کرتے تھے۔ اللہ کی کرم نوازی کی بھی کوئی انتہا نہیں کہ سفرِ آخرت کے وقت ایمبولینس میں بھی میں حضرت کے ساتھ تھا۔ پشاور سے ہم دن کے ڈھائی بجے روانہ ہوئے اور ساڑھے تین بجے دار العلوم حقانیہ پہنچ گئے۔ تقریباً تمام راستے کے سفر کے دوران ہم سب نے حضرت کی آخری دیدار خوب کی۔ آج یہ یادیں بڑی شدت کے ساتھ میرے دل کے نہاں خانوں پر دستک دے رہی ہیں اور تقاضا کر رہی ہے کہ انہیں نوکِ قلم سے آشنا کروں۔

حضرت شیخ مولانا عبد الحق رح کی شخصیت لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ایک تھی ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت شیخ کی وفات ایک عظیم اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ وہ صرف اپنی اولاد کو یتیم نہیں چھوڑ گئے بلکہ ہم سب کو کیا عالمِ اسلام یتیم ہو گئی

عالِم کی موت عالَم کی موت ہوتی ہے

حضرت کی اخلاقِ حسنہ پر جتنی کتابیں لکھی جائیں کم ہیں لیکن میں نے حضرت

شیخ میں چند خصوصیات دیکھی ہیں ۔ میرا خیال ہے کہ شاید ہی اس دنیا میں کوئی ایسا ہو جو ان خصوصیات کا مصداق ہو۔

۱۔ میں نے دس سال کے طویل عرصہ میں حضرت کی زبانِ مبارک سے کسی کی غیبت نہیں سُنی ۔ اپنوں کو کیا غیروں کو بھی دُعا فرماتے تھے ۔ آپ غیبت سُننا بھی پسند نہیں کرتے تھے ۔ اگر کوئی صاحب کسی کے بارے میں بات کرتے تو حضرت فوراً موضوع ہی بدل دیتے ۔

۲۔ شرفِ ملاقات کا طریقہ کچھ عجیب تھا ۔ ہر کسی سے ایسے ملتے جیسے پرانی شناسائی ہے ۔

۳۔ امیر غریب سے بلا امتیاز ملتے کبھی فرق نہیں فرمایا ۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت کے ارد گرد متعلقین، مریدین علماء، فضلاء، طلباء کا جم غفیر ہوا کرتا تھا ۔ حضرت ہر ایک سے خیریت دریافت فرماتے اور پھر ہر ایک کے لیے الگ الگ دُعا فرماتے ۔ جمعہ کے دن بھی یہی حالت ہوتی ۔ طبیعت خراب بھی ہوتی لیکن اس کے باوجود ہر ایک ملاقاتی سے مصافحہ فرماتے ۔ اکثر ہم کہا کرتے تھے کہ حضرت گھر چلیں کافی وقت ہو گیا ہے ۔ آرام فرمائیں فرماتے بیٹا یہ مہمان دُور سے آتے ہیں ۔ ان سے ملنا ضروری ہے ۔

حضرت نے تمام زندگی سنتِ نبویؐ کے مطابق بسر فرمائی ۔ انتہائی ضعف اور بیماری کے عالم میں بھی جوتے سُنّتِ نبویؐ کے مطابق پہنتے ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میں جلال کم اور جمال زیادہ تھا ۔ بہت شفیق انسان تھے ۔ مجھ سے تو خصوصی طور سے شفقت فرماتے ۔ حساس طبیعت کے مالک تھے ۔ اگر کوئی ایک بار اپنی پریشانی بیان کرتا تو بار بار جب بھی ملاقات ہوتی باقاعدہ دریافت فرماتے کہ بیٹا کیا حال ہے ۔ اس مسئلے کا کیا بنا ۔

۴ فروری ۱۹۸۴ء کو حسبِ معمول عصر کی نماز کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ مولانا عبدالقیوم صاحب حقانی اور قاری عبداللہ صاحب بھی موجود تھے ۔ اس دن حضرت خوشگوار موڈ میں تھے ۔ قاری صاحب نے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اختلاف کے بارے میں سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ حضرت مدنیؒ کا بہت احترام کیا کرتے تھے ۔ جب حضرت مدنیؒ تحریک کے دوران گرفتار ہوئے تو تھانوی صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے حضرت مدنیؒ کی گرفتاری سے اتنا دُکھ ہوا ہے جس کی حد نہیں اور یہی بات ہے جس کی وجہ سے میرے دل میں حضرت مدنیؒ کا احترام ہے ۔ حالانکہ حضرت تھانویؒ کا تعلق مسلم لیگ سے اور شیخ الاسلامؒ کا تعلق کانگریس سے تھا ۔ حضرتؒ نے اپنے استاد محترم شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ کے اوصاف و کرامات بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ کا ذکر فرمایا کہ ایک دفعہ بعد از نماز عشاء حضرت مدنی درس حدیث پڑھا رہے تھے کہ اسی دوران شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری تشریف لائے اور حضرت مدنیؒ کے پیچھے درس میں شامل ہو گئے ۔ درس کے اختتام پر جب حضرت لاہوریؒ کی ملاقات حضرت مدنیؒ سے ہوئی تو حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ کب تشریف لائے ہیں ۔ حضرت مولانا احمد علیؒ نے فرمایا کہ دو گھنٹے ہو گئے ہیں ۔ اس پر حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ آپ کے آنے کا مجھے پتہ نہیں چلا کیونکہ میں حالتِ نیند میں تھا ۔ حضرت شیخ الحدیث سیدی و مرشدی نے فرمایا کہ یہ حضرت استاد محترم کی کرامت تھی جو ہم نے خود دیکھی کہ دو گھنٹے تک حالتِ نیند میں درس حدیث پڑھایا کرتے تھے اور ہمیں علم تک نہیں ہوا ۔ کتاب احتراماً آگے رکھی تھی ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مدنیؒ کو حدیث کی کتابیں حفظ تھیں ۔ پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت مدنیؒ کی ملاقات خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی جس میں حضرت مدنیؒ نے درخواست کی کہ اللہ مجھے صحاح ستہ یاد کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ بس یہ ملکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا نتیجہ تھا ۔ سبحان اللہ حضرت شیخؒ کے استاد محترم کا یہ حال مقام تھا تو کیوں نہ اس کے عظیم تلامذہ حضرت مولانا عبدالحق علیہ الرحمۃ پر اس کا اثر نہ ہو بلکہ میں نے کئی بار اکابر علماء

سے سُنا ہے کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی عادت مبارک عبادت، ریاضت، مہمان نوازی، شفقت بالکل اسی طرح تھی جس طرح حضرت مدنیؒ کی ہوا کرتی تھی۔ حضرت اپنے استاد کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ یہاں پر یہ ذکر کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت مدنیؒ نے تحریکِ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔ وہ برصغیر کے مجاہدِ اعظم تھے۔۔۔ دارالحدیث میں کتاب بخاری کا درس پڑھاتے تھے لیکن سیاست کے میدان میں جہاد میں ہمہ تن مصروف ہوتے تھے دن کو تحریک چلاتے تھے رات کو درس دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنیؒ کی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ کو بھی جہاد تحریک آزادی افغانستان کا بہت بڑا جرنیل اور مجاہدِ کبیر کا اعزاز بخشا۔ اگر دیکھا جائے تو جہادِ افغانستان کے بڑے بڑے کمانڈر مجاہد حضرت شیخ کے تلامذہ ہیں جس میں خاص کر مولانا محمد یونس خالص، مولانا جلال الدین حقانی ہراول دستہ کے مجاہد ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں مجاہدین حضرت شیخ الحدیثؒ کی عظیم اسلامی یونیورسٹی (دارالعلوم حقانیہ) کے فارغ التحصیل ہیں۔ اب بھی کافی طلباء دارالعلوم کی دارالحدیث میں بخاری شریف کی کتاب کا درس یہاں کے جید علماء سے سیکھ رہے ہیں اور پھر افغانستان کے میدانِ جہاد میں عملاً جہاد میں مصروف ہوتے ہیں۔ حضرت کی برکت سے دارالعلوم حقانیہ شیخ ہدایت کا سرچشمہ ہے اور دینی یونیورسٹی کا اتنا دبدبہ اور رعب ہے کہ رُوس والے دارالعلوم حقانیہ کو فوجی چھاؤنی تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم حقانی مجاہدوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور کرتے بھی کیسے مجاہدین محاذِ جنگ پر لڑائی میں مصروف ہوتے اور اس کے عظیم جرنیل حضرت مولانا عبدالحق دن رات ان کے لیے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دُعا فرماتے آج روسی شکست سے دوچار ہیں، بھاگ رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف حضرت شیخ کی پُرخلوص دعائیں ہیں نہ صرف دعائیں بلکہ حضرت مالی مدد بھی فرمایا کرتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کاش بوڑھا نہ ہوتا تو میدان جنگ میں عملاً جہاد میں شریک ہوتا۔ آج ایک طرف تو ہم حضرت کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئے تو دوسری طرف افغانستان کے تیس لاکھ مہاجرین اور لاکھوں مجاہدین اس عظیم نعمت سے محروم ہوگئے۔ پاکستان کے علاوہ یورپ، مشرقِ وسطیٰ اور عالمِ اسلام کے کونے کونے میں حضرت شیخؒ کے شاگرد موجود ہیں اور دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ حضرت شیخؒ کے مشہور شاگردوں میں حضرت مولانا اسعد مدنی، مولانا سمیع الحق صاحب، حضرت مولانا حامد میاں مرحوم، حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ، مولانا فقیر محمد خان سابق مرکزی وزیر، اجمل خٹک اور شیخ القرآن مولانا شیر علی شاہ صاحب شامل ہیں۔ تبلیغی حضرات کہتے ہیں خود میرے والد محترم جب تبلیغ کے سلسلے میں بلوچستان شمالی علاقہ، ڈیرہ اسمٰعیل خان، بنوں، وزیرستان دورے پر جاتے تو تقریباً ہر مسجد کا خطیب فاضل حقانیہ ہوا کرتا تھا۔ سب سے پہلے ہر خطیب حضرت شیخ کی خیریت پوچھتے اور ان تبلیغی حضرات کو چومتے، قدر کرتے کہ یہ ہمارے حضرت شیخ کے علاقہ کے ہیں۔ حضرت شیخ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں عاجزی، خاکساری کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں گناہ گار عاجز کس کام کا۔ ساری عمر یونہی بے کار گزاری۔ حالانکہ حضرت شیخ کی زندگی اس کے برعکس تھی۔ دن رات اشاعت دین کے کام میں مصروف ہوتے۔ دارالعلوم کی ترقی و کامیابی کے لیے فکرمند رہتے۔ ہر وقت دارالعلوم کی شادمانی و کامرانی کے لیے دعاگو رہتے۔ اس وقت مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ ہسپتال میں حضرت شیخؒ کی عیادت کے لیے پشاور یونیورسٹی کے مولانا نورالحق صاحب ندوی تشریف لائے۔ ندوی صاحب عجیب طبیعت کے مالک ہیں، خوش مزاج ہیں۔ حضرت سے فرمانے لگے کہ تمام عمر دارالعلوم کی تعمیر میں صرف کی، صحت گنوا دی۔ مجھے دیکھو آپ سے عمر میں بڑا ہوں۔ ہٹا کٹا ہوں، لیکن آپ نے

تو صحرا میں قلعہ بنایا۔ ندوی صاحب ہ مطلب دارالعلوم حقانیہ تھا کہ یہ جگہ غیر آباد تھی۔ آپ نے عظیم الشان اسلامی درس گاہ بنا لی جو قیامت تک انشاءاللہ جاری رہے گی۔ حضرت مسکرائے۔ فرمانے لگے یہ آپ کا حسنِ ظن ہے میں اس قابل نہیں۔ پھر ندوی صاحب فرمانے لگے کہ حدیث کی خدمت کرنے والے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں اور سراپا جمال ہی جمال ہوتے ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوتی ہے، روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ حساس طبیعت کے مالک تھے۔ میں نے اپنے گھر کے ساتھ بیٹھک بنایا۔ حضرت کو بیٹھک کا افتتاح کرنے کی درخواست کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے معذرت کی۔ اتفاق کی بات چند دنوں بعد حضرت کے ایک رشتہ دار نے شیدو میں نیا گھر بنایا اور اس کے افتتاح کے لیے حضرت سے درخواست کی بلکہ موٹر بھیج کر شیدو آنے پر مجبور کیا۔ مولانا انوار الحق صاحب بتا رہے تھے کہ داجی شیدو آنے میں اس شرط پر راضی ہوئے کہ مجھے صاحبزادہ کے ہاں بھی جانا ہوگا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اچانک حضرت شیخ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے۔ دعا فرمائی۔ میری خوش قسمتی کی تو انتہا نہیں تھی کیونکہ حضرت کی آمد ہمارے تمام خاندان کے لیے باعث سعادت تھی۔ جس چارپائی پر حضرت شیخ تشریف فرما تھے وہی چارپائی اسی طرح اسی جگہ پڑی ہے اور پڑی رہے گی تبرکاً کیونکہ اس چارپائی پر محدث کبیر امام العصر وارث نبی حضرت مولاناؒ تشریف فرما تھے۔ دوسری بار ۳ر جنوری ۱۹۸۳ء کو حضرت شیخؒ نے کمال مہربانی اور شفقت سے میری دعوت قبول فرمائی تھی شیدو تشریف لائے۔ ظہر کی نماز بھی پڑھی۔ جناب پروفیسر محمود الحق صاحب حقانی، مولانا انوار الحق صاحب اور حمدانی صاحب بھی ساتھ تھے۔ کیا پوچھئے وہ دن تو ہمارے لیے عید کا دن تھا اور ایسا ناقابلِ فراموش کہ میں ہر جنوری کی تین تاریخ کو حضرت شیخ کی آمد کی یاد کی سالگرہ مناتا ہوں۔

ایک اور واقعہ جسے میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ میں حضرت کے ساتھ اسلام آباد کے ایم۔ این۔ اے ہاسٹل میں تھا عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مولانا انوار الحق صاحب اور ممتاز علی خان صاحب کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت مجھے فرمانے لگے کہ بیٹا اقامت کرو کہ نماز پڑھیں۔ میں نے اقامت پڑھی اور یوں حضرت شیخ کی اقتداء میں نماز عشاء پڑھی۔ ممتاز خان کو جب پتہ چلا مجھے کہنے لگے کہ واقعی تم خوش قسمت ہو کہ داجی کے پیچھے نماز پڑھی، حالانکہ ہمیں کبھی بھی یہ موقع نہیں ملا۔ اسلام آباد میں قیام کے دوران حضرت شیخؒ وقت پر نماز پڑھنے کے بہت پابند تھے۔ اسمبلی کے اجلاس کے بعد جب ہوسٹل تشریف لاتے کھانے سے پہلے نماز پڑھتے تھے۔ اسی طرح رات کے کھانے سے پہلے نماز پڑھتے۔ پھر کھانا تناول فرماتے۔ اسی طرح ہسپتال میں بھی پہلے نماز پھر طعام۔ ہر ایک سے نماز کی سخت تاکید فرماتے کہ نماز پڑھی ہے کہ نہیں۔

ہفت روزہ تکبیر کے مدیر اعلیٰ جناب محمد صلاح الدین نے اپنے ۲۲ر ستمبر ۱۹۸۸ء کے شمارے میں حضرت شیخ الحدیث پر مختصر مگر جامع اداریہ لکھ کر حضرت کو جو خراج عقیدت پیش کیا ہے وہ قابل صد خراج تحسین ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

مولانا عبدالحق کی رحلت

برصغیر کے ممتاز عالم دین شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا انتقال پرملال ملتِ اسلامیہ کے لیے صدمۂ عظیم ہے۔ وہ معمول کے سے حجرہ نشین عالم دین نہیں تھے بلکہ انہوں نے بڑی بھرپور زندگی گذاری اور پاکستان اور اطراف کے ممالک کی علمی، دینی اور سیاسی زندگی پر اپنی سرگرمیوں کی واضح چھاپ لگائی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بہت ہی مختصر سی مدت میں جہادِ افغانستان کے دو اہم سرپرست یعنی مرحوم صدر ضیاء الحق شہید اور مولانا عبدالحق رخصت ہو گئے تو بےجا

نہ ہوگا ۔ صدر ضیاء الحق کی جہاد افغانستان کی انگیخت میں مولانا عبدالحق کی ذات گرامی کے اثرات کا علم نسبتاً کم لوگوں کو ہے ۔ پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر مولانا عبدالحق نے دارالعلوم حقانیہ کی تاسیس کرکے جو شمعِ ہدایت روشن کی تھی اس کی تنویر سے افغانستان کے بہت سے ذہن بھی منور ہوئے ۔ اس دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے والے متاعِ علم دین کے ساتھ ساتھ دولتِ ایمان بھی لے کر دور دراز مقامات تک جاتے ہیں اور اس دولتِ ایمان میں خالص جذبۂ جہاد بھی شامل ہوتا ہے ۔ اسی جذبۂ جہاد سے سرشار مولانا عبدالحق کے تلامذہ اور دارالعلوم حقانیہ کے بہت سے فارغ التحصیل علماء نے افغانستان میں اسلامی فکر کی اشاعت و ترویج کی تحریک برپا کی جس نے ابتدا میں داؤد حکومت کو چیلنج کیا اور بعد ازاں سوویت یونین کی افواج قاہرہ کو للکارا ۔ گذشتہ ایک عشرے سے افغانستان میں جو جہاد ہو رہا ہے اس میں بہت سے سیکڑوں پر جامِ شہادت نوش کرنے یا دادِ شجاعت دینے والے مجاہدوں اور کمانڈروں کا تعلق حقانیہ سے ہے ۔ مولانا عبدالحق کا دارالعلوم حقانیہ جہاد کے جذبۂ خالص کی کان ہے اور یہاں اس جذبے کو شدت افزودگی دینے والے بہت سے تکنیک کار ہیں ۔ مولانا نے مسلسل تین بار قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہو کر پاکستان میں سیکولر اور سوشلسٹ قوتوں کو براہ راست بھی للکارا ہے اور سیاسی میدان میں اہم خدمات انجام دی ہیں ۔ بھٹو آمریت کے خلاف قومی اتحاد کی تشکیل میں بھی انہوں نے مرکزی کردار ادا کیا تھا ۔ ہم ان کی رحلت پر ان کے لواحقین سے دلی تعزیت کرتے ہیں اور خدا سے مولانا کے لیے اعلیٰ درجات اور لواحقین کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں ۔

ہفت روزہ تکبیر کراچی

۲۲ ستمبر ۸۸ء

کچھ تو اپنی فطرت سلیمہ سے اور کچھ مختلف اثرات سے حضرت شیخ الحدیث میں دل و دماغ کی اتنی خوبیاں پیدا ہوگئیں کہ ان کی کیفیت و کمیت کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے ۔ آپ کے بارے میں یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ علم و تحقیق میں آپ اپنے زمانہ کے غزالی و رازی تھے ۔ زہد و تقویٰ کے اعتبار سے احمد بن حنبلؒ ، سلوک و طریقت میں جنیدؒ و شبلیؒ اور جہد و ایثار میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہید ۔ آپ میں درویشی ولایت مکارم الاخلاقی ، خودداری ، ذوقِ عبادت اتباعِ شریعت و سنت ، عزم استقلال احساس ، فرض منصبی ، سادگی و بے تکلفی تواضع و انکساری ، ایثار و قربانی ، فیاضی و مہمان نوازی ، احتیاط و تقویٰ ، قناعت و استغناء ، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام خوبیاں جمع ہوگئی تھیں اور آپ جمالِ محاسن کا ایک حسین و جمیل پیکر تھے ۔

مؤتمر المصنفین کا سلسلۂ مطبوعات (۲۱)

کتابت حدیث اور تدوین حدیث

تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی
رفیق مؤتمر المصنفین و استاذ دارالعلوم حقانیہ

تقدیم : جناب مولانا سمیع الحق مدیر ماہنامہ الحق

مؤتمر المصنفین
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان